

معرکہ حق و باطل

۔۔۔ جناب ابن ندیو صاحب ایم۔ اے۔۔۔۔

”فہم قرآن کی ساری تدبیروں کے باوجود آدمی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا جب تک کہ عملاً وہ کام نہ کرے جس کے لیے قرآن آیا ہے۔ یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے۔ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اس نے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشہ عزلت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اس سے آواز اٹھوائی اور وقت کے علمبرداران کفر و ضلالت سے اس کو لٹوا دیا گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو بچینچ بچینچ کر لائی۔ اور دائمی حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرورد کو اٹھایا اور حامیان حق سے ان کی جنگ کرائی ایک فرد واحد کی پکار سے اپنا کام شروع کر کے خلافت الہیہ کے قیام تک پورے تیس سال یہی کتاب اس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی اور حق و باطل کی اس طویل و جہاں گسل کشمکش کے دوران میں ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلہ پر اس نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بنا اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاع کفر و دین اور معرکہ اسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اس کشمکش کی کسی منزل سے گزرنے کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہوا ہو اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں۔ اسے تو پوری طرح آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب

اسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کریں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جاتے اسی طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں۔ تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے جو نزولِ قرآن کے وقت پیش آتے تھے۔ مکہ اور حبش اور طائف کی منزلیں بھی آپ دیکھیں گے اور بدر و احد سے حنین و تبوک تک کے مراحل بھی آپ کے سامنے آئیں گے۔ ابو جہل اور ابو لہب سے بھی آپ کو واسطہ پڑے گا۔ منافقین اور یہود بھی آپ کو ملیں گے۔ اور سابقین اولین سے لے کر ”مولفہ القلوب“ تک سب ہی طرح کے انسانی نمونے آپ دیکھ بھی لیں گے اور برت بھی لیں گے۔ یہ ایک اور ہی قسم ”سلوک“ ہے جس کو میں ”سلوک قرآنی“ کہتا ہوں۔ اس سلوک کی شان یہ ہے کہ اس کی جس جس منزل سے آپ گزرتے جائیں گے قرآن کی کچھ آیتیں اور سورتیں خود سامنے آکر آپ کو تیاقی چلی جائیں گی کہ وہ اس منزل میں اتنی تھیں اور یہ ہدایت لے کر آئی تھیں۔ اُس وقت یہ تو ممکن ہے کہ لغت اور نحو اور معانی و بیان کے کچھ نکات سالک کی نگاہ سے چھپے رہ جائیں۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ قرآن اپنی روح کو اس کے سامنے بے نقاب کرنے سے بخل برت جائے۔“

مقدمہ تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۳۲-۳۴

تاریخ انسانی کی سب سے بڑی حقیقت حق و باطل کی کشمکش ہے۔ اس زمین پر انسانی زندگی کے آغاز سے آج تک ایک صبح بھی ایسی نہیں گزری جب تیسرے و شرک کی قوتیں باہم دست و گریباں نہ رہی ہوں اور کوئی شام ایسی نہیں آئی جس نے حق و باطل کے درمیان تعاون و وصالت کا منظر نہ دکھا ہو۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

انسانی زندگی میں ہر قدم پر کشمکش، تصادم اور پیکار نظر آتی ہے۔ لیکن ظاہر میں نگاہیں

کبھی اسے محض قوت لامیوت کے لیے جدوجہد کا نام دیتی ہیں اور کبھی اسے قوم، نسل اور طبقہ کی کشمکش کے رُوپ میں دکھتی ہیں کبھی اسے مفادات کی جنگ قرار دیتی ہیں اور کبھی تعصب و عصبیت کی پیکار سمیں اس سے انکار نہیں کہ ان میں سے ہر ایک، ایک مخصوص دائرہ میں اپنا وجود دکھتی ہے۔ لیکن انسانی تاریخ کو صرف ان کے ذریعہ سمجھنے والا، اسباب و حقائق کے بجائے علامات و مظاہر پر نگاہیں مرکوز کر دینے کی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔ سطح سمندر پر ابھرنے والی لہریں تو دراصل اس تلامح کا مظہر ہیں جو زیر آب طوفان بپا کیے ہوئے سے۔ بدن پر رونما ہونے والے چھٹی پھوڑے تو اس فسادِ خون کی صرف علامات ہیں جو رگ و پے میں برپا ہے بخار (TEMPERATURE) کا تعلق محض بدن کی جلد سے نہیں نظامِ جسم کے بگاڑ سے ہے، جس نے اس شکل میں اپنے کو ظاہر کیا ہے! ظاہر میں نگاہیں اس جزوی اور وقتی کشمکش ہی کو اصل کشمکش سمجھ لیتی ہیں جو مفادات کے تصادم اور طبقات کے ٹکراؤ میں نظر آتی ہے حالانکہ انسانی زندگی کی اصل کشمکش حق و باطل، خیر و شر، نیکی و بدی، دعوتِ ربانی اور حزبِ طاغوت کی کشمکش ہے۔ باقی تمام کشمکشیں اسی عظیم تصادم کے اجزاء و فرع ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں!

اسلام کا طریقی اصلاح | اسلام زندگی کے تمام اصولی اور جزوی مسائل کی اصلاح کرتا ہے لیکن وہ اصل و فرع اور کل و جز کو ان کے صحیح مقام پر رکھتا ہے۔ نہ ایک کو بڑھاتا ہے۔ اور نہ دوسرے کو کم کرتا ہے! پھر وہ محض علامتوں اور ظواہر پر تمام توجہ کو مرکوز کر دینے کے بجائے بنیادی حقائق اور اصل اسباب کو نمایاں کرتا ہے۔ وہ شاخوں سے لڑنے کے بجائے برائی کی جڑ پر نیشہ لگاتا ہے۔ وہ محض علامتوں کو نہیں اسباب کو دُور کرتا ہے۔ وہ غیر متعلق یا کم تر اہمیت کے مسائل میں الجھ کر رہ جانے کے بجائے اساسی اور بنیادی معاملات کو درست کرتا ہے۔ اس طرح اسلام ایک طرف انسانی صلاحیت کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرتا ہے۔ اور دوسری طرف زندگی کے اصل بگاڑ کی اصلاح کر کے خدا کی زمین پر ایک ایسا صالح اور صحت مند نظام قائم کرتا ہے جو روئے زمین کو نیکیوں اور بھلائیوں سے بھر دیتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں زندگی کا سب سے اہم مسئلہ ہدایت و ضلالت کا مسئلہ ہے اس کی نگاہ میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہو؟ وہ کس لیے جیے؟ زندگی کن اصولوں کے مطابق گزارے؟ تمدن کا نقشہ کس خاکہ کے مطابق بنائے؟ دوسروں سے تعلقات کی بنیاد کیا ہو؟ بالفاظ دیگر اصل کامیابی اور فلاح کیا ہے اور اسے کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟ وہ انسان کے لیے جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے، وہ ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت۔ اس لیے ہر انسان سے دن میں بار بار وہ یہ کہلو آتا ہے کہ اهدنا الصراط المستقیم یا اللہ ہم کو سیدھا راستہ دکھا، اور اسلام کی ساری تعلیمات، قرآن کی کل ہدایت اور حضرت آدم سے لے کر حضور اکرمؐ تک تمام انبیاء کی پوری زندگی اور دعوت اسی ایک سوال کا جواب اور اسی ایک دعا کی تکمیل ہے۔

قصۂ آدم و ابلیس | تخلیق آدم کا جو قصہ قرآن نے بیان کیا ہے اس کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کی کشمکش کا ایک آئینہ ہے اور اس میں دو اہم کردار بالکل نمایاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں جنہیں تاریخ انسانی کی صورت گیری کرتی ہے۔ ایک طرف انسانیت کا نانیذہ (حضرت آدم) ہے جو علم الاشیاء حاصل کرتا ہے۔ تلمیذ الرحمن بنتا ہے۔ غافل حقیقی کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ غلطی ہوتی ہے تو کانپ جاتا ہے۔ خود پسندی اور استکبار کے بجائے شرمندگی اور ندامت کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس کا مطیع بنتا ہے۔ اور کامیاب ہوتا ہے۔

یہ ہے دعوتِ حق کا پہلا داعی اور ہدایتِ ربانی کا پہلا امین! دوسری طرف ابلیس ہے جو اپنے علم و صلاحیت کے باوجود نخوت، استکبار، حسد، اور فساد کا پیکر بننا پسند کرتا ہے۔ رب کے حکم سے روگردانی کرتا ہے۔ غلطی پر اصرار کرتا ہے۔ اور حق کی راہ کھوٹی کرنے اور خدا کے راستہ سے لوگوں کو ہٹانے کی روش اختیار کرتا ہے۔ یہ ہے گمراہی کا پیکر اور ضلالت کا داعی۔

ابلیس رجیم — آدم و ابلیس کا ثنائی ارضی کے دو کردار ہیں۔ ایک حق، صداقت، خیر و نور اور

دعوتِ اسلامی کا علم بردار ہے، اور دوسرا باطل، کذب، شر، ظلمت اور ضلالت کا سان دونوں کے درمیان ابدی عداوت اور نہ ختم ہونے والی کشمکش ہے۔ اور یہی وہ کشمکش و پیکار ہے جس سے تاریخ انسانی عبارت ہے۔ انسانوں کی ایک عظیم اکثریت خواہ محض خاموش تماشاخی ہو لیکن قوموں کی قسمت کا فیصلہ بالآخر انہی فعال انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے جو خواہ تعداد میں کم ہوں لیکن معرکہ حق و باطل کے زندہ کردار ہوں، اور زندگی کو بنانے میں اپنا رول ادا کر رہے ہوں۔ پہلے دن سے انسانی سوسائٹی میں یہ کشمکش برپا رہی ہے اور رہے گی۔ دنیا اور آخرت دونوں میں انسان کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار اس پر ہے کہ اس معرکہ حق و باطل میں وہ کس کا ساتھ دیتا ہے اور اس میں کیا خدمت سرانجام دیتا ہے۔

آدم و ابلیس کا پورا کردار جب واضح ہو کر سامنے آ گیا تو رب السموات والارض نے صاف صاف کہہ دیا:

تم دونوں در فتن یعنی انسان اور شیطان، یہاں سے
اُتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔
اب اگر میری طرف سے تمہیں کوئی ہدایت پہنچے
تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ
نہ بٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا۔ اور جو میرے
ذکر (دوسری نصیحت) سے منہ موڑنے گا اس کیلئے
دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز
ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاَمَّا يَا تَبَّيْتُكُمْ مَتَى هُدَى
فَمَنْ تَبَّعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى
وَمَنْ اَعْرَضَ عَنِّ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهُ مَعِيشَةً
ضَنْكًا وَتَحْسُرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى۔

(طہ - ۲ - ۱۲۳)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے
پاس پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے

فَاَمَّا يَا تَبَّيْتُكُمْ مَتَى هُدَى فَمَنْ
تَبَّعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْيَىٰ قَوْمًا وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
(البقرہ - ۳۸-۳۹)

ان کے لیے کسی خوف و رنج کا موقع نہ ہوگا۔ اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

تاریخ کے دو کردار | یعنی ہدایت الہی کے آجانے کے بعد یہی دو کردار پھر ابھرے گا۔ ایک طرف حضرت آدمؑ کے قبیح اور پیر و ہوں گے۔ جو دعوت حق کی اس شمع کو روشن رکھیں گے جو پہلے انسان اور نبی نے جلائی تھی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو خدا کی ہدایت کو آگے بڑھ کر تمام لیں گے خدا کے نبی کی کجا پڑھیں گے۔ سخن انصار اللہ۔ دین حق کو اپنی زندگیوں پر قائم کریں گے۔ اور زندگی کے پورے نظام کو اس کے رنگ میں رنگنے کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں گے۔ وہ حق کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال نہ دیں گے بلکہ حق کی آواز کانوں کے راستے داخل ہو کر ان کے دل و دماغ میں گھر کرے گی۔ ان کے رگ و پے میں سما جائے گی۔ ان کی زندگیوں کی قلب ماہیت کر دے گی۔ ان کے سوچنے کے انداز ان کے بولنے کے طریقے، ان کے اخلاق کے پیمانے، ان کی زندگی کے سانچے بدل دے گی۔ ان میں سے ایک نئے انسان کو پیدا کرے گی۔ جو خدا کا مطیع اور اس کے دین کو غالب قائم کرنے والا ہوگا۔ جو باطل سے کٹ کر حق سے بڑ جائے گا۔ اور غلبہ حق کی جدوجہد میں مصروف کار ہوگا۔ اپنی ساری قوت، اپنے تمام سرمایہ حیات کو حق کی شہادت میں صرف کر دے گا اور اس کی شہادت دیتا ہوا اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے گا۔ یہ ہوگا آدم کا اصلی کردار جو حزب اللہ کی زندگیوں میں ابھرے گا۔

ہدایت ربانی کے آجانے کے بعد ایک دوسرا کردار بھی نمایاں ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضرت آدمؑ اور اسوۃ انبیاء علیہم السلام کی پیروی کرنے کے بجائے ایلین کے نقش قدم پر چلیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دعوت انبیاء کا ساتھ دینے یا اسے برداشت اور گوارا کرنے کے بجائے کھل کر اس کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنائیں گے۔ اطاعت رب کے بجائے استکبار کی روش

اختیار کریں گے۔ یہ گروہ خدا کی ہدایت کو قبول کرنے میں اپنے مفادات کی موت سمجھے گا۔ اس میں اسے اپنے اقتدار اور اپنی چودھراہٹ کا خاتمہ ہوتا نظر آئے گا۔ وہ دعوتِ حق کا مذاق اڑائے گا۔ داعیانِ حق کا راستہ روکے گا۔ طنز و استہزاء اور تمسخر و بہتان طرازی سے کام لے گا۔ دعوتِ حق اگر قوت پکڑے گی تو اس کے دل کا چین اڑ جائے گا اور اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جائے گی۔ جب طنز و استہزاء کے حربے کامیاب ہوتے نظر نہ آئیں گے تو جھوٹے پروپیگنڈے اور عملی نراحت کا آغاز کرے گا۔ جہانی اذیتیں دے گا، طوق و سلاسل کے پھندے ڈالے گا۔ قید و بند کی صعوبتیں دے گا۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم کرے گا۔ اور تیغ و سناں کی خون آشامی پر اتر آئے گا۔ غرض حق کا راستہ روکنے کے لیے ہر حربہ اور ہر سمیٹیا استعمال کرے گا۔ یہ مخالفت کسی غیر انسانی مخلوق کی طرف نہیں انسانوں کی طرف سے ہوگی۔ اپنے ہی اہل قوم اس میں پیش پیش ہوں گے۔ اس میں غیر سہی نہیں "اپنے" بھی ہوں گے۔ یہ صرف کفار ہی کی طرف سے نہیں بلکہ ان کی طرف سے بھی ہوگی جو اپنے کو خدا کا ماننے والا کہتے ہیں باطل کے پرستار ہر طبقہ اور ہر گروہ سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنے پورے لاؤشکر کے ساتھ حق کا راستہ روکنے کے لیے مصروف کار ہو جائیں گے۔

یہ ہے قصہٴ آدم کا دوسرا کردار جو انسانی معاشرہ میں ان سرکش مخالفینِ حق کی شکل میں ابھر گیا۔ جو انبیاءِ علیہم السلام اور ان کی دعوتِ حق کا عملاً راستہ روکیں گے۔ اور خدا کے بندوں کو گمراہی کی طرف لے جانے کی سعی و جہد کریں گے۔

حق و باطل کی یہ کشمکش فطرت کا قانون اور خدا کی سنت ہے۔ تخلیقِ آدم ہی کے وقت خود رب العزّة نے آدم و ابلیس کے بارے میں بعضکم لبعض عدو و تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، کے الفاظ میں فرما کر پورے علم انسانی کو اس سے متنبہ فرما دیا تھا۔ اور پھر شیطان نے تو کھلے کھلے چیلنج سے اس اشارہ کے سارے پہلوؤں کو بالکل صاف اور واضح کر دیا تھا۔

ثُمَّ لَا تَبَيِّنُهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَ بُولَا: میں تو جیسا تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے

میں بھی تیری سیدھی راہ پر ان کی گھٹائیں
نگار ہوں گا۔ آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں ہر طرف
سے ان کو گھیروں گا۔ اور تو ان میں سے اکثر کو
شکر گزار نہ پائے گا۔

من خلفہم وعن ايمانہم و عن
شما نلہم ولا تجد اکثرہم شاكرين۔
(الاعراف - ۱۷)

یہ وہ چیز تھی جو زمین پر انسانی زندگی کے آغاز ہی میں شیطان نے دے دیا تھا لیکن سنا
ہی یہ اعتراف بھی کر لیا تھا کہ "ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں ان پر قابو دینا مشکل ہے"
(الحجر - ۴۰) اور بت تعقیقی نے بھی یہ فرما کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مخلصین کو اعلیٰ کی شہرہ نگینوں
کے خلاف ضمانت اور پناہ دے دی تھی کہ "جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تجھے کچھ بھی
قدرت نہیں" (الحجر - ۴۲)

صح تمدن ہی سے خدا کے مخلصین اور شیطان کے متبعین کے درمیان کشمکش و پیکار برپا ہے۔
اور کسی دور اور کسی زمانہ میں بھی اس کشمکش کی شدت کم نہیں ہوتی۔ حزب اللہ کے قائد خدا کے
نبی اور رسول (علیہم السلام) رہے ہیں۔ حضرت آدم سے لے کر ختم المرسل حضرت محمد مصطفیٰ تک
دعوتِ اسلامی کی رہنمائی و سرپرستی خدا کے ہی فرستادہ اور منتخب مخلصین کرنے رہے ہیں اور
شیطان ہر دور میں بزارت نئے طریقوں سے انسانوں ہی کے ذریعہ ان کا راستہ روکتا اور ان کی
دعوت کو زک پہنچانے اور پٹیامیٹ کرنے کی کارروائیاں کرتا رہا ہے۔ یہی سنتِ الہی ہے جس
کی طرف اس آیتِ کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اور ہم نے تو اس طرح ہمیشہ شیطان انسانوں
اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنا یا ہے جو
ایک دوسرے پر خوش آئند باتیں دھوکے
اور فریب کے طور پر افتاکرتے رہتے ہیں۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا
شَيْطٰنِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُؤَلِّمُ بَعْضُهُمْ
اِلَى بَعْضٍ زخرف الفول غمورا۔

(الانعام - ۱۱۲)

دعوتِ انبیاء اور اس کا رد عمل | دعوتِ اسلامی کی پوری تاریخ انبیاءِ الہی اور متبعینِ شیطان

داعیانِ حق اور پرستارِ باطل، علم بردارانِ خیر و فلاح اور کارپردازانِ شر و فساد کے درمیان کشمکش اور جنگ و جدال کی داستان ہے۔ حق و باطل کا یہ معرکہ انبیاءِ علیہم السلام کی دعوت کا لازمی اور فطری تقاضا ہے۔ شیطان یہ یکب برداشت کر سکتا ہے کہ خدا کے بندے صرف خدا کی پرستش کریں اور طاعت سے اپنے تمام رشتوں کو کاٹ کر صرف اپنے رب اور خالق سے جڑ جائیں۔ ادھر یا قوم اعبدا واللہ مالکم من اللہ غیبرہ (اے بردارانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے)، کی پکار بلند ہوئی اور ادھر باطل کے ایوانوں میں کھلبلی مچی۔ ہر طرف خطرے کی گھنٹیاں بجنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اربابِ مفاہد کو اپنا انجام نظر آنا شروع ہو جاتا ہے خود غرض عناصرِ بلبلہ اٹھتے ہیں۔ مذہبی پروہت، معاشی اجارہ دار، سیاسی حکمران سب مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ نظامِ جاہلیت کے سارے کارپرداز اس الارم کے بجتے ہی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور تحریکِ اسلامی کی مخالفت میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ وہ کبھی لاپرواہی سے کر حق کے داعیوں کو خریدنا چاہتے ہیں اور کبھی دھمکیاں دے کر ان کو خائف و خاموش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جس دل میں حق گھر کر جائے وہ ان باتوں کی فکر کرتا ہے۔ وہ تو بر ملا کہتا ہے کہ اگر میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیا جائے تب بھی اس دعوت اور اس مشن سے سرمونہ ہٹوں گا۔ اور اگر مجھے آروں سے کاٹ دیا جائے اور لوہے کی کنگھیوں سے میرا گوشت نوچ ڈالا جائے تب بھی اس پیغام اور اس تحریک سے غداری نہ کروں گا۔

مخالفت کی شکلیں اور اعتراضاتِ باطل کی قوتیں چونکہ حق کا مقابلہ دلیل و برہان کی قوت سے نہیں کر سکتیں اس لیے وہ تمسخر و استہزاء، تضحیف و تذلیل، جھوٹ و افتراء، ظلم و زیادتی، قید و بند، کشت و خون اور قتل و غارت گری کے اوجھے ہتھیار استعمال کرتی ہیں اور اس سلسلہ میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتیں۔ دیکھیے ان کا سلوک انبیاءِ علیہم السلام کے ساتھ جو انسانیت کے گلِ سرسید اور دنیائے تہذیب کے سب سے بڑے دشمن تھے، کیا رہتا ہے۔

حضرت نوح اپنے رب کے سامنے اپنی داستان اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

رَبِّ اِنِّی دَعَوْتُ قَوْمِی لَبِیْلاً وَّ
نَهَارًا فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَاۤیِیْۤی اِلَّا فِرَارًا
وَ اِنِّی کَلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لَتَنْغِفَ لَهُمْ جَعَلُوْا
اَصَابِعَهُمْ فِیْ اِذَانِهِمْ وَ اسْتَعْشَوْا
ثِیَابَهُمْ وَ اَصْرُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا اِسْتِكْبَارًا
رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَ اتَّبَعُوْا
مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالَهُ وَ وَّلَدًاۤ اِلَّا خَسَارًا
وَ مَكُوْۤوۤا مَكُوْۤا کِبَارًا -

نوح - ۲۲ - ۲۱ - ۲۴

اے پروردگار میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا لیکن میرے بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے جب جب میں نے ان کو بلایا کہ توبہ کریں اور ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے پھیٹ لیے اور اڑ گئے اور اگر بیٹھے میرے پروردگار! یہ لوگ میرے کہنے پر نہ چلے اور ان لوگوں کے تابع ہوئے جن کو ان کے مال اور اولاد نے بجز نقصان کے کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور میری مخالفت میں، وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔

احمق اور جھوٹا حضرت ہو علیہ السلام نے جب خدا کی بندگی کی طرف بلایا تو صاحبِ افتداز طبقہ نے ان کا مذاق اڑایا اور کہا:-

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ
قَوْمِهِ اِنَّا لَنَرَاكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا
لَنُظَنِّیْكَ مِنْ الْكٰذِبِیْنَ - (الاعراف ۱۶۷)

اور ان کی قوم کے سردار جو حق کے منکر تھے کہنے لگے تم تو ہمیں احمق نظر آتے ہو اور ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

نکا لو اس پاک باز کو حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو فحش اور بداخلاقی سے روکا اور اس خبیث شیطانی فعل پر ملامت کی جس کے وہ عادی تھے تو ان بد بخت مخالفین حق نے داعیانِ خیر و صلاح کے بارے میں طے کیا کہ:-

اُخْرِجُوْهُمْ مِنْ قَرْیٰتِكُمْ اِنَّهُمْ

ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ

أَنَّا سَنَنْطَلِقُكَ - (الاعراف - ۸۲) پاک باز بنے پھرتے ہیں۔

حضرت شعیب کی قوم پہلے سے مسلمان تھی لیکن جب ان "بگڑے ہوئے مسلمانوں" کو نبی برحق نے ان کی گمراہیوں پر تنبیہ کی اور ان سے شریعتِ اسلامی کو قبول کرنے اور نافذ کرنے کے لیے کہا تو ان کا جواب بھی وہی تھا:-

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا
مِنْ قَوْمِهِ... لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِيبُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ... مِنْ قَوْمِنَا -
ان کی قوم میں جو لوگ سر دار اور بڑے آدمی
تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب! اہم تم کو اور جو لوگ
تمہارے ساتھ ایمان لاتے ہیں ان کو اپنے
شہر سے نکال دیں گے۔ (الاعراف - ۸۸)

پرستارِ باطل اہلِ حق کو ہمیشہ ہی کستیوں سے نکالتے، شہر بد رکرتے اور جلا وطن کرنے کی دھمکیاں دیتے رہے ہیں۔ بلکہ اس روش پر عملاً کار بند بھی رہے ہیں۔
خطرہ ہے سخت خطرہ | فرعون حضرت موسیٰ کی دعوت کو سن کر ان کا مذاق اڑاتا ہے، انہیں قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ اور اس کے اہلِ دربار یہ فرسودہ الزام لگاتے ہیں۔

إِنَّ هَذَا إِنْ كَسَحَرَانِ يُوَدِّدَانِ
أَنْ يُخْرِجَاكَ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ
يَذُفَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثَلَّى - (طہ - ۶۳)
یہ دونوں یعنی حضرت موسیٰ اور ہارون، تو محض
جادوگر ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جاؤ
کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے (یعنی منصب
اقتدار سے) اے دخل کر دیں۔ اور تمہارے مثالی
طریقِ زندگی کا خاتمہ کر دیں۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں | "بھوٹ، حماقت جادوگری، دھوکہ دہی، ہوسِ اقتدار، طرزِ
زندگی کو خطرہ، ساری تمدنی اور ثقافتی ترقی کی تباہی و مریادی" یہ وہ پٹے ہوئے الزام ہیں جو داعیانِ
حق پر ہمیشہ چسپاں کیے جاتے رہے ہیں۔ مخالفینِ حق ہمیشہ ہی سے تنگ نظر اور بد نحو رہے ہیں۔ وہ اپنے
اوبام اور اپنے اقتدار کی مخالفت گوارا ہی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ مخالفین خواہ کلمے کلمے کا فرہوں یا زبان

سے خدا کے وجود کا انکار کرنے والے۔ اپنے مفاد کے مقابلہ میں حق کی راہ روکنے میں دونوں کا رویہ ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔ اور تاریخ میں ایسی مثالیں بھی کم نہیں ہیں جب مخالفتِ حق میں یہ نام نہاد خدا پرست کھلے کافروں سے بھی بازی لے گئے ہیں۔ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ ہمارے سامنے ہے جو اپنے اندر عبرت اور مواعظت کے بے شمار پہلو لیے ہوتے ہیں۔ خدا نے اس قوم پر کیا کیا فضل و انعام نہ کیے لیکن ان گمراہ انسانوں کا رویہ کیا تھا۔

بنی اسرائیل کی داستانِ نوح چکاں ابنی اسرائیل خود ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے درپے تھے اور ان کا ایک گروہ اپنے بھائیوں کو مٹانے کے لیے غیروں سے (یعنی دمشق کی آرامی سلطنت سے) مدد مانگتا ہے۔ جناتی نبی نے اس پر سخت تنبیہ کی لیکن سلطنتِ یہودیہ کے فرماں روا آسندے خدا کے

پیغمبر کی تنبیہ قبول کرنے کی بجائے اسے جیل بھیج دیا۔ ۲- تواریخ باب ۱۷- آیت ۷-۱۱)

حضرت الیاس (ایلیاہ ELIJAH) نے جب یہودیوں کو توحید کی دعوت دی تو سامریہ کا اسرائیلی بادشاہ انخی اپنی مشرک بیوی کی خاطر ہاتھ دھو کر ان کی جان کے چھپے ٹرگیا۔ حتیٰ کہ انہیں جزیرہ نما تے سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ حضرت الیاس نے اس موقع پر جو دعایاں مانگی ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

”بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا... تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا

اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں سو وہ میری جان لینے کے درپے ہیں“

(۱- سلاطین - باب ۱۹ - آیت ۲۶-۲۷)

”اس بادشاہ انخی نے ایک اور نبی حضرت میکایاہ کو حتیٰ گوئی کے جرم میں جیل

بھیجا۔ اور حکم دیا کہ ”اس شخص کو مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا“

(۱- سلاطین - باب ۱۹ - آیت ۲۶-۲۷)

حضرت زکریا نے جب شرک اور بدکاری و فحاشی کے خلاف آواز اٹھائی تو

یو آس بادشاہ کے حکم سے انہیں سنگسار کیا گیا۔ ۲- تواریخ باب ۲۴ - آیت ۲۱-۲۲)

جب بخت نصر نے بیت المقدس فتح کیا تو وہ پہلے سلیمانی کی سیر کرنے لگا عین قرآن گاہ کے سامنے ایک جگہ دیوار پر اسے ایک تیر کا نشان نظر آیا "اس نے یہودیوں سے پوچھا کہ یہ کیسا نشان ہے؟" انہوں نے جواب دیا کہ یہاں ذکر یانہی کو ہم نے قتل کیا تھا۔ وہ ہماری برائیوں پر ہمیں ملامت کرتا تھا۔ آخر جب ہم اس کی ملامت سے تنگ آ گئے تو ہم نے اسے مار ڈالا۔"

یہودیوں کی دو حکومتیں تھیں۔ سامریہ کی دولت اسرائیلی اور یروشلم کی دولت یہودیہ۔ سامریہ کی اسرائیلی ریاست آشوریوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی تو یروشلم کی یہودی ریاست کو تباہی سے بچانے کے لیے پر میاہ نبی نے تحریک اصلاح برپا کی وہ اپنی قوم کے زوال پر ماتم کرنے اٹھے اور گلی اور کوچہ کو چھ انہوں نے پکارنا شروع کیا کہ سنہیل جاؤ ورنہ تمہارا انجام سامریہ سے بھی بدتر ہوگا۔ مگر اس سیاسی کام پر رباب اقتدار ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان پر لعنت و ٹھکانا کی بارش ہوتی پٹے گئے، قید کیے گئے۔ رسی سے باندھ کر کچھ پھرے حوض میں ٹنکا دیتے گئے تاکہ بھوک اور پیاس سے وہیں سوکھ کر مر جائیں۔ اور ان پر الزام لگایا گیا کہ قوم میں بددلی و مایوسی پھیلاتے ہیں۔ انتشار برپا کرتے ہیں۔ قوم کے خدا میں۔ بیروتی دشمنوں سے ملے ہوتے ہیں۔ لہذا انہیں جیل بھیج دیا گیا۔ (پر میاہ۔ باب ۱۵۔ آیت ۱۰۔ باب ۱۸۔ آیت ۲۲۔ ۲۰۔ باب ۲۰۔ آیت ۱۸۔ ۱۰۔ باب ۲۶ تا باب ۴۰)

ایک اور نبی حضرت عاموس نے جب سامریہ کی اسرائیلی حکومت کو اس کی گراہیوں اور بدکاریوں پر ٹوکا اور ان کی حرکات کے برے انجام سے خبردار کیا تو انہیں ٹوٹس دیا گیا کہ "ملک سے نکل جاؤ اور باہر جا کر نبوت کرو۔" (عاموس باب ۷۔ آیت ۱۰۔ ۱۳)

حضرت یحییٰ دیوچنا، کو قوم کانیک اور متقی ترین انسان سمجھا جاتا تھا اور اپنے پرستے سب اس کے معترف تھے لیکن جب اس مقدس انسان نے یہودیہ کے فرمانروا ہمزورس کے دربار میں کھلم کھلا ہونے والی بد اخلاقیوں کے خلاف آواز اٹھائی تو اظہار حق کو "تخریبی تنقید" قرار دیا گیا۔ پہلے آپ کو قید کیا گیا۔ اور پھر بادشاہ نے اپنی معشوقہ کی فرمائش پر قوم کے اس صالح ترین انسان کا سر قلم کر کے

ایک تھال میں رکھ کر اس بدکردار عورت کی تذکر کیا۔ (مرقس۔ باب ۶۔ آیت ۱۷-۲۹)۔

حضرت عیسیٰ نے جب بنی اسرائیل کے علماء، مفاد پرست عناصراور سرداران قوم پر تنقید کی اور حق کا اظہار و اعلان کیا تو سب کا غصہ بھڑک اٹھا ان کا ”جرم“ یہ تھا کہ وہ انہیں ان کے گناہوں ریا کاریوں اور ظلم و زیادتی پر ٹوکتے تھے اور ایمان و راستی کی تنقید کرتے تھے۔ اس قصور پر ان کے خلاف جھوٹا مقدمہ تیار کیا گیا۔ رومی عدالت سے ان کے قتل کا ”فیصلہ“ حاصل کیا گیا۔ اور جب رومی حاکم پیدائش نے ان سے کہا کہ آج عید کے روز میں تمہاری خاطر مسیح اور برابا ڈاکو میں سے کسی ایک کو رہا کر سکتا ہوں۔ کہو ان دونوں میں سے کس کو رہا کروں؟ تو ان سب نے بالاتفاق کہا — ”برابا ڈاکو کو چھوڑو۔ اور مسیح کو پھانسی پر لٹکا“ یہ اور بات ہے کہ خدا نے کچھ اور ہی فیصلہ کر رکھا تھا۔ ورنہ انہوں نے تو اپنے خیال میں حضرت عیسیٰ کو پھانسی پر لٹکا دیا!۔

بڑھتا ہے ذوقِ جرم یہاں ہر سزا کے بعد | یہ ہیں حق و باطل کی کشمکش کی صرف چند جھلکیاں۔

یہ داستان صرف ماضی کی ہی کہانی نہیں، حال کی روداد اور مستقبل کی تصویر بھی ہے۔ حق و باطل کی یہ کشمکش ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ داعیانِ حق کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا گیا؟ لیکن ان کی کیفیت ہمیشہ یہی رہی ہے کہ سہ چورگ آید تقسیم برباد اومت۔

کوئی زمانہ اور کوئی دور ایسا نہیں رہا جب حق کے نام لیوا اور اس کے داعی نہ رہے ہوں جب انبیاء کا مشن زندہ نہ رہا ہو۔ اور داعیانِ حق نے سچائی، نیکی اور حاکمیتِ الہی کی دعوت نہ دی ہو۔ مخالفین ان کی سمیتوں کو پست نہیں کرتیں، ان کے عزائم کو اور نچتہ کر دیتی ہیں۔ بڑی سے بڑی مزاحمت، شدید سے شدید مظالم، سخت سے سخت استبداد ان کے پاسے ثبات میں دراسی لغزش بھی پیدا نہیں کر پاتا ہے۔

تغزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب

بڑھتا ہے ذوقِ جرم یہاں ہر سزا کے بعد

دعوتِ انبیاء کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ کوئی چیز ان کو خائف نہیں کر پائی ہے جو

قدم خدا کی راہ میں اٹھتا ہے اسے کاٹا تو جاسکا واپس نہیں کیا جاسکا ہے۔ اور چشمہ تاریخ نے بالعموم ہی منظر دکھایا ہے کہ داعیانِ حق مخالفتوں کے طوفان کے سامنے سیدہ پلائی دیوار بن جاتے ہیں۔ جو دل ایک مرتبہ کلمہ حق کا مسکن بن جاتا ہے وہ پھر مخالفین کی کسی ترغیب و ترہیب سے متاثر نہیں ہوتا۔

ثبات و عزیمت | پھر ثبات و عزیمت کا یہ مظاہرہ صرف انبیاء ہی نہیں کرتے بلکہ خدا دعوتِ نبیؐ کے تمام مخلص علم برداروں کو صبر و استقامت کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ اس کی بہترین مثال ساحرانِ مصر کے کردار میں ہے۔ کجا تو وہ فرعون سے انعام پانے کے لالچ میں حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لیے آتے ہیں اور بڑے زعم سے چیلنج دیتے ہیں ”موسیٰ تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں“ اور جب جادو بے اثر ہو گیا، حق ظاہر ہو گیا، تو نظامِ باطل کے وہی کارپرداز یک سر مدیل جاتے ہیں۔ وہ جادوگر اب خدا پر ایمان لے آتے ہیں، مسجدہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور فرعون کے ہر عتاب کجا پاڑی سے مقابلہ کرتے ہیں:-

فرعون نے کہا: تم ایمان لے آتے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا، معلوم ہو گیا کہ یہ تمہارا گروہ ہے۔ جس نے تمہیں جادوگری سکھائی تھی۔ اچھا! اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواتا ہوں اور کھجور کے تنوں میں تمہیں سولی دیتا ہوں۔ پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پہلے ہے۔ یعنی میں تمہیں سخت سزا دے سکتا ہوں یا موسیٰ؟ جادوگروں نے جواب دیا۔ ”قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم دشمن

قَالَ اَمْثَلْتُمْ لَدَّ قَبْلَ اَنْ اَذَنَ لَكُمْ اِنَّهُ لَكَبِيْرُكُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمْ السِّحْرَ فَلَا قِطْعَتٍ اَبِيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ جِلْدٍ وَلَا صَلْبِيْنَكُمْ فِيْ جُزُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمَنَّ اَيُّنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَّابِيْعِيْ - قَالُوْا لَنْ نُؤْتِيْكَ عَلٰى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْنِ مَا اَنْتَ قَاصِدٌ اِنَّمَا تَقْنِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِنَّا اَمَّا بِرَبِّنَا لَبِغِيْضٍ لَّنَا خَطِيْبًا وَّمَا اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاَللّٰهُ

خیر و البقیٰ

نشانیوں سامنے آجانے کے بعد بھی حق و صداقت پر

تجھے ترجیح دیں (محض اس لیے کہ تو بڑا قادر ہے)

(ط-۱-۷۳)

تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے تو زیادہ سے زیادہ اس دنیا

کی زندگی کا فیصدہ کر سکتا ہے ہم تو اپنے رب پر

ایمان آئے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف کرے

اور اس جادوگری سے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا

تھا، درگزر فرمائے۔ اللہ ہی اچھا ہے۔ اور ہی

باقی رہنے والا ہے۔

ہوتے اہل جناب مجھ سے خفا تیرے لیے | مخالفتوں، شدید ترین مخالفتوں کے مقابلہ میں یہی رویہ

ہے جو انبیاء علیہم السلام اور دوسرے سچے اور مخلص پرستارانِ حق نے ہمیشہ اختیار کیا ہے کیونکہ

وہ جانتے ہیں کہ جنابینِ حق محض قوت اور جبر کے ذریعہ انہیں سیدھے راستہ سے ہٹانا چاہتے

ہیں۔ ان پر جو بھی الزامات وہ لگا رہے ہیں وہ سزا پا بھوٹے ہیں۔ ان کا اصلی جرم اگر کوئی

ہے تو صرف یہ کہ وہ ان کی بندگی اور غلامی اختیار کرنے کے بجائے صرف خدا کی بندگی اور اطاعت

پر اصرار کرتے ہیں۔ ان کے ظلم و ستم اور غلط کاریوں میں شریک ہونے کی بجائے ان سے براہت

اور نیرازی کا اظہار کرتے ہیں۔ فساد اور ضلالت پر خاموش رہنے کی بجائے اس پر کڑھتے ہیں۔

اور انسانوں کے خود ساختہ ضابطوں کے آگے سہ تسلیم خم کرنے کے بجائے صرف خدا کے

دین کے مطیع بنتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ اپنے موقف پر کھڑے

شرح صدر کے ساتھ قائم ہوتے ہیں اور اس پر ان کے یقین اور اطمینان کی یہ کیفیت ہوتی

ہے کہ جو لوگ ان کے اس جرم پر برا فروختہ ہوتے ہیں ان سے صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ

گریہی اپنی خطا ہے تو خطا وار ہیں ہم

چنانچہ تاریخ انسانی کے ایسے ہی ایک واقعہ کے موقع پر خود اللہ تعالیٰ نے حق پرستوں

کی مخالفت کے اصل سبب کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ
شُهُودٌ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا
بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ -

اور جو (ظلم و ستم) وہ اہل ایمان پر ڈھا رہے تھے

اسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور مومنوں

کے خلاف ان کا سارا غصہ اس بات پر تھا کہ

وہ خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب اور

(البروج ۸-۹)

قابل ستائش ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ کو بھی فرعون کے دربار میں ایسی ہی صورت حال سے سابقہ پیش

آیا۔ اس موقع پر ایک مومن آل فرعون ارباب اقتدار کی روش پر احتجاج کرتے ہوئے اس شخصیت

کا برملا اظہار کرتا ہے کہ :

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ

کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے

کہ میرا پروردگار خدا ہے۔

(المومن - ۲۸)

اللہ -

یہ ہے اہل حق کے موقف اور ان کی مخالفت کے اصل سبب پر خود خالق السموات والارض

کی شہادت و دعوت انبیاء کی مخالفت کا سبب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ معرکہ حق و باطل کی اصل

نیادہی یہ چیز ہے کہ خدا کے نبی اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے دوسرے مخلص بندے غیر الہی

نظام زندگی کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں اس لیے کہ ان کی نگاہ میں دین محض اللہ اللہ پکارنے کا

نام نہیں بلکہ پوری زندگی کو خدا کی مرضی کے مطابق گزارنے اور زندگی کے سارے نظام پر شریعت الہی

کو غالب کر دینے کا نام ہے۔ وہ اللہ کے مقابلہ میں کسی اور کی خدائی اور اس کا مطلق اور مستقل باندہ

اقتدار ماننے کو تیار نہیں۔ وہ محض "سجدے کی اجازت پر مطمئن نہیں ہو جاتے بلکہ پوری زمین پر عبادت خدا

کا کلمہ بلند اور اسی کا قانون جاری و ساری کرنے کی سعی و جہد کرتے ہیں۔ وہ اس صورت حال کو ماننے

کے لیے تیار نہیں ہوتے کہ خالق الہی اللہ ہی ہرگز زندگی کے دیگر معاملات میں غیر اللہ سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ لَدَّ

الخلق والامر (خلق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا)۔ اور مخالفت کے سارے طوفان اسی لیے

اٹھتے ہیں کہ یہ بندگانِ حق ساری انسانی زندگی اور اس کے تمام شعبوں میں صرف ایک ہی خدا کی فرماں روائی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے خدا کی زمین پر زعم خود اپنی خدائی جتانے کے مدعی آتش زیر پا ہو جاتے ہیں۔

... جتنا رپا لیکن چراغ | تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی خدا کی زمین پر اس کے کچھ بندوں نے اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے اس کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرنے کے عزم کا اظہار کیا ہے، حق و باطل کی کشمکش برپا ہو گئی ہے۔ لیکن یہ وہ کشمکش ہے جس میں صرف اہل حق ہی کے لیے نہیں بلکہ پورے معاشرہ اور تمام دنیا کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ کیونکہ یہی وہ جدوجہد ہے جس کی وجہ سے دنیا میں بھلائی قائم ہے۔ اور روئے ارض پر جو بھی نیکی، صداقت، شرافت اور انصاف پائی جاتی ہے وہ اس کا عطیہ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو خدا کی زمین ظلم، بدی اور فساد سے بھر جائے۔ حق و باطل کی اس کشمکش میں بہت سے دور آتے ہیں۔ اسے بہت سے گرم و سرد موسموں سے گزرنا پڑتا ہے۔ نخران اور بہار کے بہت سے مناظر سے سابقہ پیش آتا ہے۔ ماہ و سال اور زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ اس کشمکش کی ظاہری شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ جدل و پیکار کے انداز تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس معرکہ کے کرداروں (افراد و قوم) میں بھی تغیر ہوتا رہتا ہے، لیکن اپنی روح، اپنے مزاج اور اپنی حقیقت کے اختیار سے یہ ازلی وابدی ہے۔ یہ کشمکش ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ خَلْقَ الْمَوْتِ وَالْحَيٰوةِ لِيَبْلُوَكُمْ اَتِيكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ موت و حیات کا یہ ہنگامہ برپا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ تمہیں انسانوں کو آزمایا جائے۔ اور دیکھا جائے کہ تم میں سے کون نیک روش اختیار کرتا ہے۔

پھر حق و باطل کی یہ کشمکش مختلف پیمانوں پر ہوتی ہے کبھی یہ صرف انفرادی زندگی تک محدود ہوتی ہے اور کبھی اجتماعی جدوجہد کی شکل اختیار کرتی ہے۔ کبھی چند منفرد حق پرست کلمہ حق بلند کرتے ہیں اور دار کو چومتے ہوئے اپنے خالق و مالک کے حضور جا حاضر ہوتے ہیں اور کبھی اس فریضہ کو منظم تحرکیں ادا کرتی ہیں۔ کبھی باطل کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں صرف چند ٹوٹے ہوئے چراغ

خوشاں ہوتے ہیں اور کبھی نور حق ظلمتوں کا سینہ چاک کر کے فضا تے بسید کو منور کر دیتا ہے۔ کبھی اہل حق صرف جیلوں اور سولیوں ہی تک رسائی پاتے ہیں اور کبھی گردشِ دوراں کو پلٹنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور غالب آکر نظامِ زندگی کی تنظیم نو کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ یہ تاریخ کے مختلف نشیب و فراز ہیں اور ان میں سے کب کس کو کونسا مقام حاصل ہوتا ہے، اس کا انحصار صرف تدبیر الہی پر ہے۔ رہے اہل حق تو وہ جانتے ہیں کہ ہر صورت میں وہ کامیاب و کامران ہیں۔

دعویٰ کا اظہار ہی خود حق کا سب سے بڑا انعام بھی ہے۔ یہاں سعی ہی حاصل ہے، سفر ہی منزل ہے، جدوجہد ہی کامیابی ہے، قربانی ہی اعزاز ہے اور اس مقصد کے لیے ٹرپ ہی کامیابی ہے۔

..... کیا خود آقا ہی نے نہیں کہا ہے کہ اِنَّ سَعْيَكُمْ سَوَوْتُمْ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ يُحْزِنُ يَدِ الْجَزَاءِ الْاُولٰٓئِیْنَ کہ اس کی سعی و جدوجہد ہی ہے جو دکھی جاتے گی۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا (انعام، دعوتِ انبیاء اور معرکہ حق و باطل کی برکتیں) پھر اس جدوجہد کے انداز و آداب بھی نزلے ہیں یہاں جو مظلوم ہے بالعموم وہی محبوبِ خدا بھی بنتا ہے۔ دنیا کا ضمیر بھی اس کی عزت کرتا ہے اور خدا کو بھی وہ بہت پیارا ہوتا ہے۔ دنیا میں کلمہ حق بلند کرنے والے کا استقبال داد و پیش، عزت و تکریم، انعام و اکرام سے نہیں، سوسائٹی کے منفرد طبقے کی طرف سے ظلم و زیادتی سے ہوتا ہے اور حق کی تحریک جتنی منظم، جتنی مضبوط و ہمہ گیر ہوتی جاتی ہے، مخالفت بھی اتنی ہی شدید اور مصائب بھی اتنے ہی مقلابل برداشت ہوتے جاتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مخالفت کے طوفان نہ اُٹیں اور غلط کار قوتیں ان کو ٹھنڈے پیٹوں گوارا کر لیں تو دعوت و تحریک کی صحت ہی ایک گونہ مستحکم ہو جاتے۔ اہل باطل کی طرف سے مخالفت جتنی شدید ہو وہ دعوت کی صداقت کا اتنا ہی بڑا ثبوت ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ تیر نشانے پر نگاہ ہے۔ دعوت جوں جوں ترقی

۱۰ حضرت مسیح نے بنی اسرائیل سے کہا تھا :-

”یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرنے آیا ہوں، باطل کے ساتھ صلح کرنے نہیں، دعویٰ کی خاطر تلوار چلاؤں گا۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے، اور بیٹی کو اس کی ماں سے،

کرتی بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے مخالفت بھی اسی مناسبت سے شدید ہوتی جاتی ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ یہی مخالفت اور کشمکش خود دعوت کا ایک پہلو بن جاتی ہے جس سے پورے معاشرہ میں ایک جھلجھل مچ جاتی ہے۔ ہر شخص کسوٹی پر کس دیا جاتا ہے۔ کشمکش کی اصل حقیقت اور محرکہ کا اصل سبب سب کے سامنے آ جاتا ہے۔ دعوت کا پیغام اور داعی کا کردار حق کے حق اور رعنائی کو بے نقاب کر دیتے ہیں۔ اہل حق سے جو سلوک کیا جاتا ہے اس سے انسانیت کے قلب پر چوٹ پڑتی ہے۔ سوچنے سمجھنے والے ذہن بے چین ہونے لگتے ہیں جن میں خیر و صلاح کی کوئی رتی موجود ہوتی ہے وہ اس صورت حال پر پریشان ہو جاتے ہیں۔ ان کے ضمیر جاگ اٹھتے ہیں۔ سوئی ہوئی انسانیت بیدار ہو جاتی ہے۔ پھر لوگوں کی سجد رویاں اور توقعات دعوت حق سے وابستہ اور گہری ہوتی جاتی ہیں۔ معاشرہ کے تمام عناصر حقائق کو چشمہ سر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ سوسائٹی میں سے زندہ ضمیر رکھنے والے لوگ چھٹ چھٹ کر اہل حق کے ساتھ شال

اور ہو کر اس کی ساس سے جدا کر دوں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہو گئے جو کوئی ماں باپ کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں اور جو کوئی اپنی صلیب اٹھائے یعنی نر لائے موت کے لیے تیار نہ ہو اور اپنا سر تنجیلی پرے کر نہ نکلے، وہ میرے بچے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی جان بچانا ہے اسے کھوٹے گا، اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوٹا ہے اسے

بچائے گا۔ (متی: ۱۰: ۲۴-۲۹)

بھائی کو بھائی قتل کے لیے حوالہ کرے گا۔ اور بیٹے کو باپ اور بیٹے اپنے ماں باپ کے خلاف کھڑے ہو کر انہیں مروا ڈالیں گے اور میرے نام کے باعث سب لوگ تم سے عداوت کریں گے مگر جو آخر تک برداشت کرے گا وہی نجات پائے گا۔ (متی: ۱۰: ۲۱-۲۲)

”دیکھو میں تمہیں بھیجتا ہوں گویا بھیڑیوں کے بیچ میں... آدمیوں سے خبردار رہو کیونکہ وہ تمہیں عداوتوں کے حوالے کر دیں گے۔ اور اپنے عبادت خانوں میں تمہارے کوڑے ماریں گے اور تم میرے سبب مامکوں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے (ایضاً ۱۶-۱۸)

ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہمت اور عزم رکھنے والے معرکہ میں جوق در جوق شریک ہونے لگتے ہیں۔ بہر طرف سے کلمہ خیر بلند ہونے لگتا ہے۔ اصلاح کی تحریک کو نیا خون اور نئی قوت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح سے مخالفین کو یا اس خام کو کندن بنانے کا کام کرتے ہیں۔ لویا فولاد میں تبدیل ہوتا ہے۔ اور یہ فولاد بالآخر باطل کے ہتھیاروں کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ کئی نہیں جانتا کہ یہ کشمکش اپنے پورے نتائج کتنی مدت میں نکالے گی۔ اثر و نفوذ اور تمام حجت کا عمل کتنا عرصہ لے گا۔ درخت کب اپنے پھلوں سے نشا و کام کرے گا۔ اور اس کی ٹھنڈی چھاؤں کب انسانیت کے لیے آرام گاہ بنے گی۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس کشمکش پر ہی انسانی سوسائٹی کی زندگی اور اس کے نشو و نما اور ارتقاء کا دار و مدار ہے۔

حق و باطل کی کشمکش پورے معاشرہ میں ایک نئی روح پھونک دیتی ہے۔ خیر و صلاح کی تمام قوتوں کو، خواہ وہ کہیں بھی اور کسی بھی شکل میں کام کر رہی ہوں، اس سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہوئے انسانوں میں امید کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ اصلاح و تعمیر کی ایک نئی رو اُٹھتی ہے۔ ساری مزاہمتوں کے باوجود یہ دعوت پورے معاشرہ کے لیے امید کی کرن اور خیر کا منبع بھی بن جاتی ہے۔ چونکہ تحریک اصلاح کی مخاطب پوری قوم ہوتی ہے۔ اس لیے دعوت حق کے برپا ہونے اور کشمکش کے شدت اختیار کرنے کے ساتھ ہی ساری قوم جاگ اٹھتی ہے اور اس کے سامنے یہ سوال آجاتا ہے کہ وہ حق کا ساتھ دے یا باطل کا، یا صرف خاموش تماشا بن کر کھڑی رہے؟ خدا کی سنت یہ ہے کہ جو معاشرہ صالح افراد کی ایک معقول تعداد رکھتا ہے، دضروری نہیں کہ یہ عدوی اکثریت ہی میں ہوں، اور صالح افراد منتشر حالت میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھے ہوں بلکہ ایک دوسرے کے رفیق و مددگار اور دعوت انبیاء کے علم بردار بن کر اٹھ کھڑے ہوں اور اس کے لیے جان و مال کی بازیاں لگا دیں اور اس جدوجہد میں اعلیٰ اخلاقی کردار کا مظاہرہ کریں تو پھر دعوت حق غالب آکر رہتی ہے اور باطل اپنی ظاہری آب و تاب اور قوت و دبدبہ کے باوجود مغلوب ہو کر رہتا ہے۔ اس کے برعکس

اگر کوئی معاشرہ اتنا بانجھ ہو گیا ہے کہ اس میں حق پرستوں کا کوئی گروہ موجود ہی نہ ہو یا موجود تو ہو مگر اصلاح حال کی خاطر کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ ہو تو پھر اس قوم کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ فطرت کا یہ قانون ہے کہ بدی اور ظلم خالص کا نظام کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ لہذا کسی قوم میں دعوتِ حق کا برپا ہونا اور اس کے اندر سے کچھ لوگوں کا نظامِ حق کو قائم کرنے، نیکیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کی جدوجہد کے لیے اٹھ کھڑا ہونا اس قوم اور معاشرے کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ اس کا حفاظتی حصار ہے جس کے سہارے وہ زندہ رہتی اور پروان چڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قانون کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ مِنَ الْقَرُوبِ مِثْلُ
قَبْلِكُمْ أُولُو الْبَقِيَّةِ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ
فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا
مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتُوْا
فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا
مُصْلِحُونَ۔

(ہود ۱۱۶-۱۱۷)

پھر کیوں نہ ان قوموں میں سے جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکتے؛ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم جن کو ہم نے ان قوموں کے انجام سے بچا لیا۔ اور نہ ظالم لوگ تو ان چیزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے۔ تیرا ب ایسا نہیں کہ بستیوں کو تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔

مضبوط ہمہ گیر جدوجہد کی برکات حقیقت یہ ہے کہ اصلاح کی جدوجہد جو مضبوط، قوی، مؤثر اور ہمہ گیر جدوجہد ہو ایک معاشرہ کی زندگی کی ضامن اور اس کی ترقی کا فریضہ ہے اسی کے سہارے اس کی مدتِ حیات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس میں خیر و صلاح اور نیکی اور معرفت کا عنصر ٹپکتا جاتا ہے۔ اس کی اخلاقی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور اصلاح حال اور تعمیر نو کے امکانات روشن تر ہوتے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ جوں جوں تحریکِ اصلاح

فروغ پائے اور کشمکش گہری ہو۔ معاشرہ اور قوم کی طرف سے رد عمل بھی اتنا ہی مؤثر اور قوی ہوتا جاتے تاکہ خیر و صلاح کے کام کو قوت حاصل ہو اور مالکِ کائنات جس کے نزدیک اس کی ذات اور اس کے حکم میں کسی اور کو شریک کرنے سے بڑا کوئی جرم نہیں، کی رحمت قوم کی طرف متوجہ اور اس کی پشت پناہ بنے۔

جبر و تشدد کی شکست مقدر ہے | ایک خاص مقام تک دعوتِ حق اور مخالفت دونوں ساتھ ساتھ بڑھتے ہیں۔ جوں جوں دعوتِ دین کی روشنی پھیلتی ہے، اور حق ظاہر اور اس کے غلبہ کے امکانات تابندہ ہوتے جاتے ہیں اور تحریکِ اصلاح قوت پکڑتی جاتی ہے اس کے بالمقابل عناصر کی کمزوریاں نمایاں ہوتی جاتی ہیں۔ اس سے ان کی جھجلاہٹ بڑھتی اور مخالفت نیرس ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ بالکل اندھے ہو کر انبیاءِ علیہم السلام کی دعوت کو طاقت اور جبر کے ذریعہ کچلنے کے درپے ہو جاتے ہیں لیکن وہ جتنا اس خطرناک راہ پر آگے بڑھتے ہیں اتنا ہی ان کے موقف کا بودا پن واضح ہو جاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جبر و تشدد کے ہتھیاروں سے اخلاقی مجرموں کو مغلوب کیا جاسکتا ہے مگر فکری اور نظریاتی تحریکوں کو کبھی دیا یا نہیں جاسکا۔ انبیاءِ علیہم السلام اور ان کے پیروں کی قیادت میں اٹھنے والی تحریکیں تو درکنار خیالات اور نظریات کی اساس پر اٹھنے والی کسی تحریک کو بھی محض زور اور قوت اور جبر و تشدد کے بل پر نہیں روکا جاسکا۔ قوت کے ذریعہ سقراط کو زہر کا پیالہ پلایا جاسکتا ہے۔ لیکن یونان کو سقراط کے افکار سے نہیں بچایا جاسکتا۔ سقراط آج بھی زندہ ہے اور اُسے زہر کا پیالہ پلانے والوں کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ اور جو جانتا ہے وہ ان پر لعنت بھیجتا ہے۔ کنفوشس کو پھانسی دی جاسکتی ہے لیکن دین کنفوشس کے فروغ کو روکا نہیں جاسکتا۔ کنفوشس کا مذہب آج بھی ایک مؤثر قوت ہے اور اس کے خاتموں کو زبانی نے "تاریخ انسانی کا مجرم" قرار دیا ہے۔ حضرت مسیح کو صلیب تک لے جایا جاسکتا ہے۔ ان کی مقدس تعلیمات کے غلبہ کو روکا نہیں جاسکتا۔ وہی رومن ایسا پڑ جس کی عدالت حضرت مسیح کو پھانسی کی سزا کا حکم سناتی ہے، بالآخر دینِ مسیح کے لیے مسخر ہو جاتی ہے۔ اور

عیسائیت ریاست کا سرکاری مذہب بنتی ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعب ابی طالب میں محصور کیا جاسکتا ہے۔ اور مکہ سے نکالا بھی جاسکتا ہے۔ لیکن محمد اور دین محمدی کے غلبہ و اقتدار کو نہیں روکا جاسکتا۔ مکہ سے نکالے جانے والا یہی غریب الوطن (فدائہ امی وابی)، دس ہی سال کے اندر فاتح مکہ کی حیثیت سے اپنے مسکن و مولد میں داخل ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام حنبل اور امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ کو قید و بند اور کڑوں کی سخت سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ لیکن بالآخر ان ہی کے افکار و نظریات کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور خود سلطنتوں کو ان کی اسی فکر کے آگے سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔

تاریخ کا یہ ناقابل فراموش فتویٰ ہے کہ جبر و تشدد کے ذریعہ دعوت انبیاء اور تحریکات حق کا راستہ کبھی نہیں روکا جاسکتا ہے۔ اس سے دعوت اور مضبوط ہوتی ہے۔ معاشرہ کے باضمیر عناصر اس سے آکر ملتے جلتے ہیں۔ ظالموں کے مجرم ضمیر خود ان کے لیے زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ اخلاص، اعلیٰ کردار اور بلند اخلاق اپنا لہر بنا منواتے ہیں۔ اور اہل حق آخرت میں تو کامیاب و بامراد ہوں گے ہی لیکن اسی دنیا میں بھی وہ کامیاب و بامراد ہو کر رہتے ہیں۔

جو حق کی خاطر جیتے ہیں | حق و باطل کی یہ کشمکش جس قدر حق کی مخالفت کرنے اور اس سے بے اعتنائی برتنے والوں کے امتحان کے لیے اور دنیا و آخرت میں ان کا ٹھیک مقام متعین کرنے کے لیے ضروری ہے، اسی قدر یہ خود اہل حق کی تربیت کے لیے بھی ضروری ہے۔ یہ ایک طرف ان کے ایمان و یقین کا امتحان ہے اور دوسری طرف ان سے خدا کے وعدے کی تکمیل۔ دنیا کا قانون یہ ہے کہ محض زبانی دعوے پر کوئی مکمل اعتقاد نہیں کرتا۔ زبانی دعوے کا عملی ثبوت بھی مانگا جاتا ہے۔ اور یہ عملی ثبوت ہی ہے جو دعوے کو معتبر بناتا ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ اہل حق کے دعوئے ایمان کو عمل کی دنیا میں جانچے اور پرکھے بغیر ان کے مراتب کے بارے میں کیسے فیصلہ فرما دے؟ چنانچہ اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ:-

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر
چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ”ہم ایمان لائے“ اور
ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ حالانکہ ہم ان سب لوگوں
کی آزمائش کر چکے ہیں۔ جو ان سے پہلے گزرے
ہیں۔ اللہ تو ضرور یہ دیکھتا ہے کہ سچے کون ہیں اور
تھوٹے کون!

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يَتَّكِبُوا أَنْ
يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ - وَلَقَدْ
فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ
الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ
(العنکبوت ۲-۳)

دوسری جگہ فرمایا:-

خدا مومنوں کو ہرگز اس حالت میں رہنے دینے
والا نہیں ہے کہ جس میں تم اس وقت ہو کہ
صادق الایمان اور منافق ملے جلتے ہیں۔ وہ پاک
لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ نمایاں کر کے
رہے گا۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ
عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ
مِنَ الطَّيِّبِ - (آل عمران)

اس عمل کا صرف یہی پہلو نہیں ہے کہ یہ حق پرستی کا دعویٰ کرنے والوں کی آزمائش اور ان کا
امتحان ہے۔ اور اس کے ذریعہ مخلص اور غیر مخلص اصحاب استقامت اور موثر شناس و مفاد پرست
ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں بلکہ یہ دعوت حق کے لیے تلہیر کا ایک صدیقی انتظام ہے جس سے کائنات کا حقیقی
فرمانروا سچا اہل ایمان اور محض بانی جمع خرچ کرنے والوں کو ایک دوسرے سے تمیز و ممتاز کر دیتا ہے اور اہل حق کے گروہ میں مفسدان کو
رکتا ہے جو فی الحقیقت اپنے کو اپنے رب کے ہاتھ پر چکے ہوں جو دراصل اس کام کے ہوں جو اسکی خاطر دوسلم سے ٹکراتے کو تیار ہوں

آزمائش کا یہ انتظام اہل حق کے لیے بے شمار پہلوؤں سے ایک تربیتی نظام بھی ہوتا ہے
اس معرکہ میں دعوت اسلامی کی اصل خصوصیات اور اس کا حقیقی رنگ نمودار کے سامنے
کھڑے کر آجاتا ہے۔ کتابی باتیں حقیقت کا روپ دھار لیتی ہیں۔ اور مصائب و شدائد کی کٹھالی میں
ان سے ان کی آلائشوں کو دور کیا جاتا ہے۔ اور انہیں نکھار کر پاک و صاف کر دیا جاتا ہے دنیا

اور اس کی ترغیبات سے جو لگاؤ ان کے اندر پیدا ہو گیا ہوتا ہے، اس کا تزکیہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح ان کی اخلاقی طاقت کو کئی گنا بڑھا دینے کا سامان ہو جاتا ہے۔

یہ وہ عمل ہے جس سے اہل حق کے لیے قوت کے نئے چشے پھوٹتے ہیں۔ ان میں قیادت کی اعلیٰ صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور وہ جو ہر بیدار کیا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے تاریخ میں بار بار حق پرستوں کا ایک چھوٹا سا گروہ ایک بڑے ہجوم پر غالب ہوتا رہا ہے۔

پھر آزمائش اہل حق کے ایمان کو نچتہ کرتی ہے۔ اور ان کا اپنے مشن کی کامیابی اور نصرت الہی پر یقین اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ جس آزمائش اور امتحان کی خدا نے خبر دے رکھی ہے، جب وہ آتا ہے تو خدا کے وعدوں پر ان کا یقین اور بڑھ جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جس طرح خدا کی دی ہوئی یہ خبریں سچ ثابت رہی ہیں اسی طرح وہ اپنے باقی وعدے بھی پورے فرمائے گا اور بالآخر حق کو غلبہ اور اہل حق کو کامیابی عطا کرے گا۔

اور جب مومنین نے ایمان حق کے، شکر کو
وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ
دیکھا تو پکار اٹھے یہ وہی ہے جس کا خدا اور
قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ
اس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور خدا اور
وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَزَادَهُمْ إِيمَانًا
اس کے پیغمبر نے سچ کہا تھا۔ اور ان کا ایمان
وَقَسَلِينَا -

اور اطاعت اور زیادہ ہو گئی۔

والاحزاب - ۲۲

چنانچہ سخت سے سخت پریشان کن حالات میں بھی اہل حق مایوس نہیں ہوتے۔ ہر آزمائش میں اللہ کے بھروسے پر راہِ حق پر جمے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات پر ان کا یقین کبھی متزلزل نہیں ہوتا کہ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ۔ اور مومنین کی مدد ہم پر لازم

ہے۔ (الروم - ۴۶)

اور ایک اور چیز جو تم بہت پسند کرتے ہو وہ
بھی تمہیں ملے گی یعنی، خدا کی طرف سے تمہیں

وَأَخْوَى يُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ
اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَنَبَأٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ

راشفقت - ۱۳۰

مد اور عنقریب فتح نصیب ہوگی اور مومنوں کو
اس کی خوشخبری سنادو۔

فَاَصْبِرُوا وَرَوَّعَدَا اللّٰهَ حَتّٰی (المومن) ”
پس صبر کرو، خدا کا وعدہ بالکل سچا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اہل حق اپنے خدا پر ہر حال میں بھروسہ رکھتے ہیں۔ انتظا
سے گھبراتے نہیں۔ صبر و استقامت کی روش پر چمے رہتے ہیں۔ تنگی ہو یا فراوانی۔ حالات مساعد
ہوں یا نامساعد، کام کی راہیں بظاہر کھلی ہوں یا بند، وہ دل شکستہ نہیں ہوتے۔ بلکہ راہ میں
مشکلات کو حائل پاکر اپنے رب سے اپنے تعلق کو اور زیادہ گہرا اور خالص کرنے میں لگ جاتے
ہیں۔ اپنی ساری قوتیں راہِ وفا میں جھونک دیتے ہیں۔ صبر و صلوة سے قوت حاصل کرتے ہیں۔
استغفار و دعا سے روحانی غذا پاتے ہیں۔ مہر و وفا اور الفت و محبت سے اپنی صفوں کو
مضبوط کرتے ہیں۔ اور اپنے اپنے حالات و استطاعت کے مطابق اپنے مالک کی رضا جوئی
کی راہ پر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ منزل آجاتی ہے کہ خدا کی زمین باطل کی
شمر انگیز لوہوں سے پاک اور حق و انصاف کا مسکن بن جاتی ہے۔

خواتین کا تعمیری جریہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی چھوٹے بچوں کا پیار رسالہ
ماہنامہ بتول، لاہور اسلام کے نظام حیات پر پندرہ روزہ خود لاہور

مستند کتب

نیز آپ کے بچوں اور لڑکیوں کے لیے۔ ہجاری، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ اور دیگر اداروں کی
ہر قسم کی جملہ مطبوعات ہم سے طلب فرمائیے

پتہ

ادارۃ بتول - ۴ اے ذیلدار پارک

اچھیرہ - لاہور